علم المناسبت اور فہم قرآن حکیم میں اس کی اہمیت وافادیت

Ilm-ul-Munasibah: Its Significance in Understanding the Quran

Habib ullah, Assistant Professor
F-G Post Graduate College, H-8 Islamabad

Abstract

MUNASIBAH, in literal means identical or close together. The term refers to the knowledge of the Quran's with the words, the know like between verses and Surah's, Poem, TANSIQ, link and synchronized are the words used as synonyms for MUNASIBAH, this knowledge has great advantages, for example, it establishes the facts that Quran's is the word of Allah, and that such synchronization among different things is Quran is beyond human powers. This knowledge also reveals the mystery and secret words of the Quran. It is also means for unity and solidarity in the Ummah, because it rules out the possibility of self explanation of terms that results in differences among the Ummah. It is the knowledge that helps in digging solutions from the verses of Quran. Therefore, it is imperative, keeping in view the importance of this knowledge, that it be brought forward to the public, so that the desired results are achieved.

Keywords: Ilm-ul-Munasibah; Quranic exegeses; Quranic Sciences

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تدریجاً نازل فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق اس کو ترتیب دیا، قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کے بیان کی حکمت فصاحت وبلاغت اور اسرار وحکم اس قدر عمیق ودقیق ہیں کہ صدیوں سے ائمہ ومفسرین اس کی تفسیر وتشریح میں لگے ہوئے ہیں اور قیامت تک اس پر غور وفکر اور تدبر کرتے رہیں گے۔ قرآن حکیم کے پیغام اور تعلیمات کے صحیح فہم کے لیے علماء نے کئی علوم ایجاد کئے، جن کی مدد سے قرآن کریم کے پیغام اور مطالب کو سمجھنا آسان ہوگیا، علوم القرآن کے ائمہ نے ان علوم کی تعداد تقریباً تین سو کے قریب قرار دی ہے، انہی علوم میں ایک علم، ربط آیات وسور یا مناسبت آیات وسور یا نظم قرآن کہلاتا ہے، پہلے پہل اس علم کو اعجاز القرآن کے ضمن میں شمار کیا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس علم کے اپنے اصول وقواعد مرتب ہوئے اور مفسرین نے جن میں امام رازی، امام ابن زبیر ثقفی، امام بقاعی، امام مہائمی اور عصر جدید میں علامہ مراغی اور برصغیر پاک وہند میں مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا حسین علی اور دیگر مفسرین نے اس فن میں گراں قدر تفسیری سرمایہ اہل علم کے سامنے پیش کیا

ہے۔اس علم کے مفاہیم ومترادفات اور فہم قرآن میں اس کی اہمیت وافادیت کو واضح کرنے کے لیے زیرِنظر عنوان کو اختیار کیا گیا ہے۔ہم نے اس مقالہ کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ علم المناسبۃ کا لغوی واصطلاحی مفہوم۔

۲۔ علم المناسبۃ کے مترادفات۔

۳۔ علم المناسبۃ کی اہمیت وافادیت۔

۴۔ خلاصہ بحث ونتائج۔

۱۔مناسبۃ کا لغوی مفہوم

مناسَبۃٌ کا لفظ باب مفاعلة (ناسب يناسب مناسبة) کا مصدر ہے۔اس کے حروف اُصلیہ ن۔س۔ب ہیں۔ نَاسَبَ میں باہم قریب ہونے اور ہم شکل ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

علامہ زبیدی(۱) لفظ "مناسبة" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المناسبة: المشاكلة، يقال بين الشيئين مناسبة وتناسب اى مشاكلة وتشاكل وكذا قولهم لانسبة بينهما، وبينهما نسبة قريبة" (۲)

''مناسبت کا معنی مشاکلت ہے کہا جاتا ہے ان دو چیزوں کے درمیان مناسبت اور تناسب ہے یعنی وہ دونوں ہم شکل اور متشابہ ہیں۔اسی طرح عرب کہتے ہیں کہ ان دو چیزوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں اور ان دونوں کے درمیان قریبی نسبت ہے۔''

قاموس(۳) اور مختار الصحاح(۴) میں بھی مناسبة کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جب یہ کہا جائے کہ ان دو چیزوں میں مناسبت پائی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ان دونوں چیزوں میں کوئی حسی یا معنوی تقارب یا تشاکل پایا جاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان دو چیزوں میں کوئی مناسبت موجود نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں میں کوئی حسی یا معنوی قرابت یا مشاکلت موجود نہیں۔امام الزرکشی(۵) مناسبت کے مفاہیم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"المناسبة فى اللغة: المقاربة، فلان يناسب فلانا اى يقرب منه ويشاكله ومنه النسيب هو القرب المتصل، كالأ خوين و ابن العم ونحوه...... ومنه المناسبة فى العلة فى باب القياس: الوصف المقارب للحكم"(٦)

''لغت میں مناسبت کا معنی مقاربت ہے فلاں فلاں سے مناسبت رکھتا ہے یعنی اس کے قریب ہے اور اس کے مشابہ ہے اسی سے لفظ النسیب نکلا ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ قرابت داری جیسے دو بھائی یا چچازاد بھائی اور

اسی سے قیاس کی بحث میں المناسبۃ فی العلۃ کی اصطلاح ہے جس سے وہ وصف مراد ہوتا ہے جو یکساں حکم لگانے میں تقارب اور اشتراک کا سبب ہو۔''

مناسبت کی وضاحت میں امام سیوطی (۷) کی تعریف بہت جامع ہے آپ لکھتے ہیں:

"المناسبة فی اللغة: المشاركة والمقاربة ومرجعها فی الأيات ونحوها الی معنی رابط بينها، عام أو خاص، عقلی أو حسی أو خيالی أو غير ذلك من أنواع العلاقات أو التلازم الذهنی، كالسبب والمسبب، والعلة والمعلول، والنظيرين اوالضدين، ونحوه" (۸)

''لغت میں مناسبت کا معنی مشارکت یا مقاربت ہے قرآن کریم کی آیات میں مناسبت سے مراد یہ ہے کہ دو آیات کے درمیان عام معنی یا خاص معنی، عقلی وحسی مفہوم یا خیالی مفہوم یا ان کے علاوہ رابطہ کی کوئی اور صورت پائی جائے یا وہاں تلازم ذہنی پایا جائے جیسے سبب اور مسبب، علت اور معلول یا وہاں نظیرین یا ضدین یا اس جیسی کوئی اور نسبت پائی جائے۔''

ان سب تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ مناسبت کا لغوی معنی باہم قریب ہونا اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ہے.

۲-مناسباتِ قرآن حکیم کا اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں قرآن حکیم کی مناسبت سے مراد قرآن حکیم کے کلمات، آیات اور سورتوں میں پائے جانے والے ربط اور تعلق کو بیان کرنا ہے یعنی قرآن مجید کی ہر بات اپنی جگہ تو حسن و جمال اور پیکرِ رعنائی و دلکشی ہے ہی، لیکن یہ اقوالِ زریں کی طرح اکٹھا کیا گیا کوئی کلام نہیں کہ جس کے کلمات، آیات اور سورتوں میں کوئی ربط و تعلق موجود نہ ہو بلکہ پورے قرآن مجید میں ایک گہرا اور قوی تعلق موجود ہے یہ شروع سے آخر تک ایک مربوط اور منظّم کلام ہے۔ قرآن کریم میں موجود اس ربط و تعلق کو بیان کرنا یہاں تک کہ قرآن کریم میں مکمل ہم آہنگی ظاہر ہو اور یہ کلمہ واحدہ کا روپ دھار لے اسی کو اصطلاح میں مناسبات قرآن حکیم کہا جاتا ہے اور علم مناسبت اسی ربط و تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو پورے قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔ امام ابراہیم بن عمر البقاعی (۹) مناسبت کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فعلم مناسبات القرآن علم تُعْرَف منه علل ترتيب اجزائه" (۱۰)

''پس مناسبات قرآن کے علم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کے اجزاء میں پائی جانے والی ترتیب کے اُسباب معلوم ہوتے ہیں۔''

اور پھر وہ اس علم کا ثمرہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وثمرته الاطلاع علی الرتبة التی يستحقها الجزء بسبب ماله بماورائه وما أمامه من الارتباط والتعلق" (۱۱)

''اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کسی بھی جز کے اس مقام سے مطلع ہو جاتا ہے جو ربط و تعلق کے پس منظر میں ماقبل

یابعد کالحاظ کرتے ہوئے اس کے لئے متعین ہوتا ہے۔''

مناسبت کا اصطلاحی مفہوم اس علم کے فائدہ اور ثمرہ سے بھی بخوبی واضح ہوجاتا ہے جو اس علم کے ماہرین نے بیان کیا ہے۔امام الزرکشی اس علم کا ثمرہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جعل اجزاء الكلام مربوطابعضها ببعض، بذلك الارتباط والاتصال يقوى الكلام ويكون حاله حال البناء المحكم المتلائم الاجزاء" (۱۲)

''کلام کے بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ مربوط کردینا، اس ارتباط واتصال سے کلام قوی ہوجاتا ہے اور اس کی حالت اس مستحکم عمارت کی طرح ہوجاتی ہے جس کے اجزاء آپس میں بڑی پختگی سے جڑے ہوئے ہوں۔''

اس سے واضح ہوا کہ اصطلاح میں علم مناسبات القرآن سے مراد وہ علم ہے جس میں اس چیز سے بحث کی جاتی ہے کہ قرآن کریم کے کلمات، آیات اور سورتوں میں باہمی ربط وتعلق کیا ہے اور یہ چیز دلائل سے ثابت کی جاتی ہے کہ قرآن کریم منتشر خیالات کا مجموعہ نہیں بلکہ پورا قرآن کریم ایک محکم ترتیب پر قائم ہے اور یہ شروع سے آخر تک اس طرح منظّم اور مربوط ہے کہ گویا یہ کلمہ واحدہ ہے۔

۳-مناسبات کے مترادفات:

بہت سے دوسرے الفاظ بھی اصطلاحاً مناسبات کے مترادفات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں:

۱۔ نظم ۲۔ تناسق

۳۔ توافق ۴۔ ربط

ان اصطلاحات کی کچھ وضاحت ملاحظہ ہو:

۱.۳-نظم:

نَظَمَ کا لغوی معنی باہم ملانا، ترتیب دینا یا پرونا اور منسلک کرنا ہے۔جب کہا جائے "نَظَمَ اللُّؤْلُؤَ ونحوه" تو اس کا مطلب ہے اس نے موتی وغیرہ لڑی میں پروئے اور نظام کا لفظ موتی وغیرہ کی لڑی یا ترتیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے علامہ ابن منظور (۶۳۰ھ-۷۱۱ھ) اس لفظ کے لغوی معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" النظم التأليف..... نظمت اللؤلؤ اى جمعته فى السلك، والتنظيم مثله..... وكل شيئ قرنته بآخر أو ضممت بعضه الى بعض فقد نظمته۔"(۱۳)

''نظم کا مطلب پرونا ہے جب کہا جائے ''نظمت اللؤلؤ '' تو اس کا مطلب ہے میں نے موتی کو دھاگے میں جمع کیا اور اسی معنی میں تنظیم کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جسے تو کسی اور چیز کے ساتھ ملادے یا اس

کے کچھ حصے سے جوڑ دے تو اس کو نظم کہا جائے گا۔''

اس لغوی تحقیق سے واضح ہوا کہ نظم کا لغوی معنی کسی چیز کو ملانا اور جوڑنا ہوتا ہے لیکن اصطلاحی معنی میں نظم کا لفظ مناسبت کے مترادفات کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی نظم القرآن اور مناسبات القرآن کی اصطلاحیں مترادفات کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

علامہ حمید الدین فراہی (۱۴) نظم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرادنا بالنظام ان تكون السورة كا ملا واحدا ثم تكون ذات مناسبة بالسورة السابقة واللاحقة أو بالتى قبلها و بعدها..... ان الآيات ربما تكون معترضة و على هذا الاصل ترى القرآن كله كلاما واحد اذا مناسبة و ترتيب فى أجزائه من الاوّل الى الآخر"(۱۵)

''نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورت ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو اور وہ سورت اپنی ماقبل اور مابعد سورتوں سے بھی ہم آہنگ ہو،.....بعض آیات جملہ معترضہ کے طور پر آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی آجاتی ہیں۔اگر اس اصول کے تحت قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا جس کے سب اجزاء میں شروع سے آخر تک ایک مناسبت اور ترتیب پائی جائے گی۔''

وہ مزید کہتے ہیں:

''نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورت کی ایک مخصوص ہیئت ہوتی ہے کیونکہ جب کلام کے معانی ایک دوسرے سے مربوط ہوں گے، کسی عمود کے گرد گھومیں گے اور کلام میں یکجہتی ہوگی تو لازمی طور پر اس کی ایک مخصوص ہیئت متعین ہو جائے گی۔اس لئے جب ان امور کو ملحوظ خاطر رکھ کے کلام پر غور کرو گے تو اس کا جمال، پختگی اور وضاحت واضح طور پر نظر آئے گی۔''(۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ نظم اور مناسبت کے الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔اس پر ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ ماضی میں بہت سے علماء کرام نے مناسبات قرآن کریم پر کتب تحریر کیں اور اسے نظم کا نام دیا۔مثلاً جاحظ (م-۲۵۵ھ) اور ابن الأخشید (۱۷) نے اپنی کتابوں کے نام ''نظم القرآن'' رکھے۔امام إبراہیم بن عمر البقاعیؒ (م-۸۸۵ھ) نے اس موضوع پر اپنی تفسیر کا نام ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' رکھا۔شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری (م-۱۰۱۱ھ) نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی تفسیر کا نام **"درر التنظيم فى ترتيب الآى والسور الكريم"** رکھا۔علامہ حمید الدین فراہی (م-۱۳۴۹ھ) نے اس موضوع پر اپنی کتابوں کا نام ''دلائل النظام'' اور ''تفسیر نظام القرآن'' رکھا۔

اس سے واضح ہوا کہ مفسرین کے نزدیک نظم اور مناسبت ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

۲.۳-تناسق:

تناسق کا لفظ باب تفاعل کا مصدر ہے اور اس کا مادہ اصلیہ نَسَقَ ہے۔اس مادہ میں کسی چیز کو ترتیب دینا، مرتب کرنا اور

سلیقہ سے رکھنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ **"نَسَقَ الکَلَامَ"** کا معنی ہے کلام کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملانا اور ایک کا دوسرے پر عطف کرنا۔ **ناسقت بین الامرین** کا مطلب ہے کہ میں نے دو معاملات کو باہم جوڑ دیا۔

علامہ ابن منظور (۱۲۳۲-۱۳۱۱) اس لفظ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النسق من کل شیئ ما کان علی طریقة نظام واحد عام فی الأشیاء..... من الکلام علی نظام واحد والعرب تقول لطوار الحبل اذا امتد مستویا، خذہ علی ھذا النسق ای علی ھذا الطوار..... ویقال رأیت نسقا من الرجال والمتاع ای بعضھا الی جنب بعض" (۱۸)

''جو چیز ایک نظام اور طریقے پر ہو وہ اس چیز کا نسق کہلاتا ہے۔ اسی طرح جو کلام ایک نظام پر ہو اسے بھی نسق کہتے ہیں۔ جب رسی کے کنارے برابر کھینچ لئے جائیں تو عرب کہتے ہیں کہ اسے اس نسق (طریقے) پر پکڑو۔ کہا جاتا ہے: ''رأیت نسقا من الرجال والمتاع'' یعنی میں نے ان میں سے کچھ کو کچھ کے پہلو میں دیکھا۔''

مندرجہ بالا لغوی بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ تناسق کا لفظ بھی مناسبات کا مترادف ہے شاید اس لئے امام سیوطی نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی کتاب کا نام ''تناسق الدرر فی تناسب السور'' رکھا اور علامہ اشرف علی تھانوی (م-۱۳۶۲ھ) نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک کتاب کا نام "سبق الغایات فی نسق الایات" رکھا۔

۳.۳-توافق:

"تَوَافُقُ" کا لفظ باب تفاعل کا مصدر ہے۔ اس کے حروف اصلیہ **وَفَقَ** ہیں یہ لفظ'' **تَخَالُفُ**" کا متضاد ہے اس مادہ میں متفق ہونا یا موافق ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ **"اَوْفَقَ الْقَوْمُ لفلان"** کا معنی ہے کسی کے قریب ہو کر اس سے سب لوگوں کا اتفاق کرنا اور متحد ہو جانا۔ **"وافق فلان بین الشیئین موافقة ووفاقا"** کا مطلب ہے کہ اس نے دو چیزوں کو ملا دیا، انہیں جوڑ دیا اور ان میں مطابقت و یکسانیت پیدا کر دی۔ علامہ محمد یعقوب فیروز آبادی اس لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"التوافق: الاتفاق والتظاھر..... وتقول ھذا وفق ھذا ووفاقہ ووفیقہ و وافقت فلانا علی أمر کذا ای اتفقنا علیہ معاً'' (۱۹)

''توافق کے معنی اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہونا ہے جب تو کہے ہذا وفق ہذا و وفیقہ و وفوقہ تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ اس کے ہمسر اور برابر ہے..... وافقت فلانا علی امر کذا کا مطلب ہے کہ ہم نے اس معاملہ میں اتفاق کیا۔''

یہ لفظ بھی اصطلاح میں مناسبت کا مترادف ہی استعمال ہوتا ہے۔

۴.۳-ربط:

لغوی طور پر اس لفظ میں بھی کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنے، باندھنے اور ملانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ **"رَبَطَ الشَّیئَ"** کا معنی ہے اس نے اس چیز کو جوڑ دیا، باندھ دیا یا ملا دیا۔ ارتباط کا لفظ جوڑ، تعلق اور ربط وضبط کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ترابط، علم فلسفہ میں اس تعلق کو کہتے جو ایسی دو ادراک کردہ چیزوں کے درمیان قائم ہو جو ذہن میں کسی بھی سبب کی بنا پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں اور رابطہ کا لفظ جوڑ، تعلق یا کسی ایسی تنظیم کیلئے استعمال ہوتا ہے جس میں متفق المقاصد لوگ اکٹھے ہوں جیسے **رابطة العالم الإسلامی**۔

راغب اصفہانی (۲۰) اس لفظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ربط الفرس شده بالمكان للحفظ ومنه رباط الجيش وسمی المكان الذی يخص باقامة حفظة" (۲۱)

''ربط الفرس کا معنی ہے اس نے گھوڑے کو حفاظت کیلئے باندھ دیا اور اسی سے ''رباط الجیش'' کی ترکیب اخذ کی گئی ہے۔ جو ایسے مکان کو کہا جاتا ہے جو محافظوں کی اقامت کیلئے مخصوص کر دی گی ہو۔''

اصطلاح میں یہ لفظ بھی مناسبت کا مترادف ہی استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا حسین علی (۲۶) نے مناسبات قرآن حکیم پر لکھی گئی اپنی کتابوں کے نام **"بلغة الحيران فی ربط نظم القرآن"** اور **''الدرر المنثورات فی ربط السور والآيات"** رکھے۔

مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا حسین علی دونوں ہی قرآن ہی قرآن مجید میں نظم وترتیب کے قائل ہیں اور اس میدان میں دونوں کی نمایاں خدمات ہیں۔ تاہم ان کے نظریہ نظم میں کچھ اختلاف ہے۔ مولانا حسین علی نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر سورت کا ایک دعوی یعنی اس کا محور اور مرکزی موضوع ہوتا ہے۔ جو اس میں ایک بار یا متعدد مرتبہ بڑی صراحت سے مذکور ہوتا ہے اور سورت کی باقی تمام آیتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی کے گرد گھومتی ہیں اور کسی نہ کسی طرز سے اس کے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض آیات میں مرکزی دعوی کے دلائل عقلیہ ونقلیہ مذکور ہوں گے بعض آیات میں مرکزی مضمون پر روشنی ڈالی جائے گی کہیں اصل دعویٰ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک قرآن مجید کے چار حصے ہیں اور ہر حصہ الحمد سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا حصہ الحمد سے الانعام تک۔ جس میں احوال پیدائش زیادہ ہیں دوسرا انعام سے کہف تک جس میں احوال تربیت زیادہ ہیں۔ تیسرا کہف سے سبا تک جس اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور ربوبیت کا ذکر ہے اور چوتھا سبا سے آخر قرآن تک جو احوال قیامت پر مشتمل ہے۔

فراہی مکتبہ فکر کی نمائندگی مولانا امین احسن اصلاحی نے ''تدبر قرآن'' کے مقدمہ میں قرآن مجید کی جملہ سورتوں کو سات گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس کے آغاز میں ایک یا ایک سے زائد مکی سورتیں ہیں اور ہر گروپ کا اختتام ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ہوتا ہے اس طرح مکی اور مدنی سورتیں مل کر ایک گروپ بنتی ہیں۔

ان کے نزدیک ہر گروپ کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے وہ عمود کا نام دیتے ہیں۔ پھر ہر گروپ کے مرکزی مضمون کے دورخ ہیں۔ ایک مکی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے دوسرا مدنی سورتوں ہیں۔ اسی طرح دونوں مل کر مرکزی مضمون کی تکمیل کرتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک اختلاف کو رفع کرنے کا مرکزی ذریعہ عبارت کا سیاق وسباق اور نظام کی معرفت ہے۔

مناسبات قرآن کریم میں مفسرین کی مختلف آراء:

اگرچہ مفسرین کرام کی ایک کثیر تعداد قرآن مجید میں نظم ومناسبت کی قائل رہی ہے تاہم کچھ جید علماء دین اور مفسرین کرام نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کے نزدیک قرآن مجید میں کوئی مناسبت اور ربط نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے چند ایک کی آراء ملاحظہ ہوں۔

امام محمد بن علی الشوکانی (م-۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''جان لیجئے کہ اکثر مفسرین نے ایک نیا اور انوکھا علم دریافت کیا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے جس میں تیرنے کے وہ مکلّف نہیں بنائے گئے تھے۔ انہوں نے ایک ایسے فن میں اپنے اوقات صرف کئے جو ان کے لئے قطعاً سودمند نہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو محض رائے اور گمان سے کام لینے پر لگا دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی آیات میں نظم ومناسبت ثابت کرنے کا التزام کیا ہے اور اس چیز کو ثابت کرنے میں انہیں ایسے تکلفات اور اس قدر تصنع سے کام لینا پڑا ہے کہ حق وانصاف پناہ مانگے۔ ماہرین بلاغت کا کلام بھی ان چیزوں سے پاک ہوتا ہے چہ جائیکہ کلام الٰہی میں یہ چیزیں ثابت کی جائیں۔ ان لوگوں نے اس موضوع پر علیحدہ کتب تصنیف کی ہیں اور مناسبت کو تالیف کا اہم ترین مقصد قرار دیا ہے جیسا کہ بقاعی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے اور ان کے متقدمین ومتاخرین نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ (۲۲)

عزالدین بن عبدالسلام (م-۶۶۰ھ) لکھتے ہیں:

''مناسبت ایک بہت عمدہ علم ہے مگر کلام کے حسن ارتباط کیلئے شرط یہ ہے وہ ایسی ساخت کا حامل ہو جس میں وحدت پائی جاتی ہو اور اس کا اوّل آخر سے مربوط ہو اور اگر کلام مختلف اسباب پر مشتمل ہو تو اس میں باہم کوئی نظم ومناسبت نہیں ہوگی جو شخص ایسے کلام کو مربوط بنانے کی کوشش کرے گا وہ تکلف وتصنع کے بغیر یہ کام قطعاً نہیں کر سکے گا۔ بڑی جدوجہد اور مشقت کے بعد وہ ایسا ربط تلاش کرے گا جس سے ہر اچھا کلام بھی پاک ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ بہترین کلام ہو۔ قرآن پاک کا نزول بیس سال سے زائد عرصہ میں ہوا ہے۔ جن میں مختلف احکام کا تذکرہ ہے اور ان کے نزول کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ جو کلام اس طرح نازل ہوا ہو وہ کس طرح نظم ومناسبت کا حامل ہو سکتا ہے۔'' (۲۳)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ (م-۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا اور متن نویسوں کی طرح آیات احکام میں اختصار سے کام نہیں لیا گیا اور نہ ہی اصولیین کی طرح تنقیح کا التزام کیا گیا ہے اور علم مباحثہ کی آیات میں مسلمہ مشہور اقوال اور نافع خطابیات کا التزام کیا گیا ہے اور ترتیب براہین میں اہل منطق کی طرح اسلوب اختیار نہیں کیا گیا اور ایک مضمون کے بعد دوسرا مضمون شروع کرنے میں متاخرین ادباء کی طرح کسی مناسبت کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو بندوں کیلئے اہم سمجھا اسی کو بیان کیا خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا مؤخر۔''(۲۴)

علامہ شبلی نعمانی (م-۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی اکثر آیتوں میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے کسی آیت میں فقہی احکام بیان ہوئے ہیں اور اس کے معاً بعد اخلاقی اور معاشرتی موضوعات پر تفصیل درج ہے پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہے اور قرآن کا روئے سخن کفار کی طرف ہو جاتا ہے پھر کوئی اور بات نکل آتی ہے۔غرض یہ کہ عام تصنیفات میں جو انداز ہے کہ ایک قسم کے موضوعات یک جا بیان کئے جائیں،قرآن پاک کا یہ طرز نہیں۔''(۲۵)

۴-فہم قرآن میں علم المناسبۃ کی اہمیت وافادیت:

مناسباتِ قرآن کریم کا علم کوئی محض ایک لفظی علم نہیں ہے جس کا عملی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو اور وہ فقط معلومات میں اضافے کا ہی سبب ہو بلکہ یہ علم قرآنی مراد کو سمجھنے کیلئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور قرآن کریم کی عظمتوں اور فضائل کے بے پناہ گوشے اس علم سے صرف نظر کر کے کبھی بھی سمجھے نہیں جا سکتے۔یہ علم قرآن کریم سے تعلق پیدا کرنے کا مرکزی ذریعہ بھی ہے اور قرآن حکیم کے پیغام کو سمجھنے کی کلید وحید بھی۔

اس علم کے چند فوائد وثمرات کا ایک مختصر جائزہ ملاحظہ ہو:

۱. ۴-وجہ إعجاز القرآن:

إعجاز کا لفظ باب إفعال کا مصدر ہے لغوی طور پر اس میں کسی کو عاجز اور بے بس کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس سے مراد قرآن کریم کا لوگوں کو اپنا جواب لانے سے عاجز اور بے بس کر دینا ہے قرآن کریم کی وجوہ إعجاز سے مراد قرآن کریم کی وہ خوبیاں اور خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے جن وانس آج تک اس کی مثل نہ لا سکے اور نہ ہی قیامت تک لا سکیں گے۔

قرآن کریم کی وجوہ إعجاز میں ایک اہم وجہ قرآن کریم کی مناسبت اور اس کا ارتباط بھی ہے یعنی قرآن کریم میں مختلف اشیاء کا بیان ہوتا ہے قصص ومواعظ، وعدہ ووعید، تبشیر وتخویف، اعذار وإنذار، اخلاق کریمہ اور تعمیر شخصیت کے متعدد گوشے پہلو بہ

پہلو بیان کئے جاتے ہیں۔ان مختلف چیزوں کو اکٹھا بیان کرنے میں کہیں بھی نظم وارتباط میں خلل نہیں پڑتا۔سب کچھ اتنی خوبصورت مناسبت وارتباط سے بیان کیا جاتا ہے کہ عقل انسانی ششدر رہ جاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے قرآن کریم جیسا نظم وارتباط بشری استعداد سے ماوراہے اور یہ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کا بین ثبوت ہے۔ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم اس تناظر میں لکھتے ہیں:

''ہم نے قرآن کریم کی نظم ومناسبت میں غور کیا۔ہم نے پایا کہ قرآن کریم مختلف اشیاء کو خوبصورت نظم وتالیف اور مکمل پختگی سے بیان کرتا ہے۔جس میں نہ کہیں اختلاف ہوتا ہے نہ ہی کلام کی روانی متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی کلام کا جوبن ٹوٹتا ہے۔اسی طرح چھوٹی یا بڑی آیات میں بھی کلام کی بلاغت یکساں رہتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قصہ کو بیان کرتے ہوئے لوگوں کے کلام میں بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے لیکن قرآن کریم جب ایک ہی قصہ کو بار بار بیان کرتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ اس میں انتہا درجے کی فصاحت وبلاغت اور بہترین نظم ومناسبت پائی جاتی ہے۔اس سے ہم یہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا کلام بشری طاقت سے باہر ہے۔''(۲۷)

امام فخر الدین رازیؒ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ.....﴾ (۲۸)

''جو اس سورۃ کے نظم ومناسبت اور اس کی ترتیب کے حسن میں غور کرے گا وہ اس بات کو جان لے گا کہ قرآن مجید جیسے فصاحت الفاظ اور شرف معانی میں معجزہ ہے وہ اسی طرح اپنی ترتیب اور نظم آیات میں بھی معجزہ ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ قرآن مجید اپنے اسلوب کے اعتبار سے معجزہ ہے تو اُسلوب سے ان کی مراد خواہ نظم وارتباط ہی ہو۔مگر میں نے جمہور مفسرین کو دیکھا کہ وہ ان لطائف سے اِعراض کرنے والے ہیں اور ان معاملات سے واقف نہیں ہیں۔''(۲۹)

اور امام رازیؒ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا﴾(۳۰)

''اس آیت کے سبب نزول کے متعلق منقول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق اتری ہے جو از راہ عناد کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کسی عجمی زبان میں اتارا جاتا تو بہتر ہوتا۔لیکن میرے نزدیک اس طرح کی باتیں کہنا قرآن مجید پر ظلم عظیم ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن مجید کی آیات میں باہم کوئی ربط وتعلق نہیں ہے حالانکہ یہ کہنا قرآن مجید پر بہت بڑا اعتراض ہے ایسی صورت میں قرآن کو معجزہ ماننا تو الگ رہا اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورۃ شروع سے آخر تک ایک مربوط کلام ہے۔''(۳۱)

یعنی جب قرآن مجید کا اِعجاز اس کی نظم وترتیب میں بھی ہے تو آخر اس آیت کی تفسیر میں ایسی باتیں کہنے کا کیا جواز ہے؟ اور جاحظ نے اپنی کتاب نظم القرآن میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم کا اِعجاز اس کی نظم ومناسبت میں پوشیدہ ہے۔'' (۳۲)

نظم ومناسبت کے وجہ اِعجاز القرآن ہونے کے تناظر میں شیخ عبدالقاہر الجرجانی (۳۳) کے دلائل بڑے وزنی ہیں وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''جب عربوں کو یہ چیلنج کیا گیا کہ وہ کلام کریم کی مثل بنالائیں تو اس وقت وہ قرآن مجید کی ان مخصوص خوبیوں کو ضرور جانتے ہوں گے جو وہ اپنی عبارات میں پیدا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ بات بالکل عبث ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی کام کے کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ کئے بغیر دوسرے آدمی سے یہ کہے کہ تم میری طرح یہ کام نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کی یہ خاص خوبی صرف اس کے الفاظ، حروف، اعراب اور اس کے مسجع جملوں میں ہی مخصوص نہیں ہوسکتی کیونکہ عربوں کے نزدیک اس چیز کی مثل لانا کوئی مشکل نہ تھا۔ اس لئے قرآن مجید کی وہ خاص خوبی اس کی ترتیب اور الفاظ کی نظم ومناسبت میں ہی ہے جو ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو نزول قرآن سے پہلے معلوم نہ تھے۔'' (۳۴)

علامہ باقلانی (۳۵) اس پس منظر میں لکھتے ہیں:

''اشعار میں جو صنائع وبدائع پائے جاتے ہیں۔ اِن کی اِعجاز القرآن کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں خارق عادت نہیں بلکہ پڑھنے پڑھانے اور جدوجہد کرنے سے ان چیزوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً شعر گوئی اور خطابت وبلاغت میں مہارت حاصل کی جاسکتی ہے مگر قرآن کریم میں جو نظم وتالیف پائی جاتی ہے اس کی تقلید ممکن نہیں نہ یہ چیز قصداً ممکن ہے نہ اتفاقاً۔'' (۳۶)

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں نظم ومناسبت کا اِثبات صرف کوئی لفظی بحث نہیں بلکہ قرآن مجید کے اِعجاز کو ثابت کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

۲.۴- أسرار الکلام سے آگاہی:

جب بھی کسی کلام کو اس کے سیاق وسباق سے الگ کر کے دیکھا جائے گا تو اس کلام کی مراد اور اس کا مفہوم مبہمات کے پردوں میں گم ہوتا جائے گا اور کسی بھی بات کو اس کے پس منظر میں دیکھنا اس کی مراد سمجھنے کیلئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قرآن مجید کو نظم ومناسبت کی روشنی میں نہ پڑھا جائے تو قرآن مجید کا مقصود نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور مناسبت وارتباط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا قرآن مجید کے اُسرار ورموز سے پردہ سرکانے میں خضر راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس پس منظر میں علامہ مہائمی (۳۷) لکھتے ہیں:

''یہ خیرات وبرکات اور نظم قرآن کے نکتے، جنہیں مجھ سے پہلے جن وانس میں سے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور میری کیا مجال تھی کہ میں انہیں چھوتا کیونکہ قرآن مجید کو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ رب قدیر نے محض اپنے فضل سے مجھ پر بہت بڑا کرم فرمایا کہ میں اِعجاز القرآن کی متعدد صورتوں کو اس کی نظم ومناسبت اور ترتیب آیات کے حسن وجمال کو آشکارا کروں جبکہ اس سے پہلے ان پر اِخفا کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس سے مجھ پر واضح ہوا کہ قرآن مجید کے کلمات جامع ہیں اس کی آیات روشن ہیں اور کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں ہے''(۳۸)

یعنی قرآن کریم کی نظم ومناسبت کی وجہ سے علامہ مہائمی پر قرآن مجید کے اسرار ورموز آشکار ہوتے چلے گئے۔ امام فخر الدین رازیؒ اس تناظر میں فرماتے ہیں:

''اکثر لطائف القرآن مودعة فی الترتیبات والروابط۔''(۳۹)

''قرآن مجید کے اکثر لطائف اس کی ترتیب اور نظم وارتباط میں پنہاں ہیں۔''

محمد عنایت اللہ سبحانی نظم ومناسبت قرآن حکیم کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مناسبت، قرآن حکیم کے خزانوں اور اس کی حکمتوں کی کلید ہے جس طرح یہ قرآن کریم کے اُسرار ورموز میں سے ایک راز ہے اسی طرح اس چیز نے قرآن مجید کو ایک ایسا سمندر بنا دیا ہے جس کی گہرائیوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور اسے ایک ایسا خزانہ بنا دیا جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

نظم ومناسبت ہی قرآن کریم کے مقصود اور اس کے متعلقات کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو بھی نظم ومناسبت سے ناواقف ہو وہ آیات کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وہ چیز ہے جو احکام کو ان کی کامل ترین صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ اگر ہم نظم آیات سے آگاہ نہ ہوں تو ہم بہت سے معاملات کا ادارک نہیں کر سکتے اور ان کی قدر واہمیت سے ناواقف رہتے ہیں۔''(۴۰)

مولانا امین احسن اصلاحی جن کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ قرآن کریم کی خدمت اور نظم ومناسبت کے اثبات میں گزرا اور جنہوں نے اپنے مطالعہ اور جدوجہد کا ماحاصل اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کی شکل میں پیش کیا۔ وہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی نیکی سمجھتے ہیں حالانکہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی برائی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔ جو شخص دین کی حکمت سمجھنا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خیر وشر کے ان تمام مراحل ومراتب سے اچھی طرح واقف

ہو، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ دق کا پتہ دینے والی بیماری کو نزلے کا پیش خیمہ سمجھ بیٹھے اور نزلے کی آمد آمد کو دق کا مقدمۃ الجیش قرار دے دے۔ قرآن کی یہ حکمت اجزائے کلام سے نہیں بلکہ تمام تر نظم کلام سے واضح ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک سورۃ کی الگ الگ آیتوں سے تو واقف ہو لیکن سورۃ کے اندر ان آیتوں کے باہمی حکیمانہ نظم سے واقف نہ ہو تو اس حکمت سے وہ کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔'' (۴۱)

اس سے واضح ہوا کہ نظم و مناسبت سے قرآن کریم کے اسرار و رموز ایک انسان پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے کی دلیل قرآن مجید کی نظم و مناسبت سے ہی ملی تھی کہ جب منکرین صلوٰۃ کے خلاف جہاد ضروری ہے تو منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیوں نہیں کیا جائے گا جبکہ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر عموماً اکٹھا کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا تھا:

"واللّٰہ لأقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکاۃ فان الزکاۃ حق المال و اللّٰہ لو منعونی عقالاً کانوا یؤدونھا الی رسول اللّٰہ ﷺ لقاتلتھم علی منعھا۔" (۴۲)

''بخدا! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم! اگر وہ مجھے اونٹ کی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں جسے وہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا۔''

۳.۴- وحدتِ ملت کا سبب:

ملت اسلامیہ میں اختلاف کی خلیج جتنی وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے، قلبِ حساس اس کا تصور کر کے بھی کانپ اٹھتا ہے اور اس اختلاف نے امت کے وجود کو جو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے اس کا ذرا سا شعور بھی انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد اور اس کی وسعت کے پھیلاؤ کا بنیادی سبب بھی قرآن کریم کی نظم و مناسبت سے اعراض کرنا ہے۔ کیونکہ جب ہر نیا پیدا ہونے والا گمراہ فرقہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے عقائد کو قرآن مجید سے ثابت کرے۔ پھر وہ اس مقصد کے حصول کیلئے آیات طیبات کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹتا ہے اور جو چاہتا ہے کہتا چلا جاتا ہے اگر قرآنی آیات کا مفہوم مناسبت و ارتباط کے تناظر میں طے کیا جاتا تو کبھی بھی گمراہ فرقے پروان نہ چڑھ سکتے اور امت وحدت و یگانگت کی لڑی میں پروئی رہتی۔

جب قرآن کریم کی تفسیر میں نظم و ارتباط کا التزام ترک کر دیا گیا تو ایک آیت کی بہت سی عجیب و غریب تاویلات کرنا بھی ممکن ہو گیا اور پھر جس نے جو چاہا کہتا چلا گیا اور امت میں اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ اس پس منظر میں امام حمید الدین فراہی لکھتے ہیں:

''مجھے اندیشہ ہے کہ ممکن ہے کہ عداوت اور بغض جس کی وبا آج مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہے اس بات کا

نتیجہ ہو کہ ہم نے نظم قرآن کو نظر انداز کر کے خود قرآن کے ایک حصہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس فتنہ کا دبنا مشکل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلام الٰہی کے معانی کے بارہ میں ہماری رائیں مختلف ہو جائیں گی تو لازماً ہماری خواہش اور ہمارے ارادے بھی مختلف ہو جائیں گے اور ہمارا حال وہی ہو جائے گا جو اہل کتاب کا ہوا۔ صرف فرق یہ ہوگا کہ ان کے لئے آخری بعثت اور آخری صحیفۃ کے ذریعہ سے اصلاح حال کا موقع باقی تھا اور ہمارے لئے آخری چارہ کار صرف یہی قرآن ہے۔'' (۴۳)

قرآن کریم کی نظم و مناسبت سے اعراض کر کے خود ساختہ معانی کیسے مراد لئے گئے اور کس طرح امت کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ (۴۴)

''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا، اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستاروں، ایک سورج اور ایک چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں مرزا علی محمد باب (۱۸۲۱ء-۱۸۵۰ء) نے لکھا ہے:

''اس آیت میں یوسف سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ ایک روز حضرت حسینؓ نے اپنے والد سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس آیت میں سورج سے مراد سیدہ فاطمہؓ چاند سے مراد نبی کریم ﷺ اور ستاروں سے مراد ائمہ اہل بیت ہیں۔'' (۴۵)

اگر قرآن کریم کی نظم و مناسبت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس تفسیر کا بطلان بالکل واضح ہے کیونکہ جب یہاں قصہ ہی حضرت یوسفؑ کا بیان ہو رہا ہے تو درمیان میں ائمہ اہل بیت کا تذکرہ کیسے آ گیا؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (۴۶)

''تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں وہی جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔''

اس آیۃ کریمہ میں لفظ ''ولی'' سے استنباط کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہوئے شیخ طبرسی (م-۵۴۸ھ) لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور امامت کے مستحق ہیں کیونکہ اس آیت میں فرمایا گیا کہ تمہارا

ولی اللہ، اس کا رسول (ﷺ) اور اہل ایمان ہیں اور اس آیت میں اہل ایمان سے مراد حضرت علیؓ ہیں کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس آیت کے مصداق صرف حضرت علیؓ ہیں کیونکہ آپ نے ہی حالت رکوع میں زکوٰۃ دی تھی۔ لہٰذا حضرت علیؓ مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اَوْلٰی اور اَحَقُ ہے۔ سو حضرت علیؓ مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔'' (۴۷)

اگر مناسبت وارتباط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو شیخ طبرسی کا استدلال بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ یہاں زیر بحث مسئلہ خلافت نہیں تھا بلکہ دوستی اور محبت کس سے رکھنی چاہیے اور کس سے نہیں۔ یہ آیۃ کریمہ جس سلسلہ کلام میں آئی ہے اس کی ابتدا اس آیۃ کریمہ سے ہو رہی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (۴۸)

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قرآن کریم کی یہ مناسبت واضح کر رہی ہے کہ یہاں ولی سے مراد محبوب اور دوست ہے۔ ایسے ہی:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ (۴۹)

''اے اہل بیت اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور کرے اور تمہیں ایسا پاک کر دے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔''

کی تفسیر میں ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج کرنا اس لئے درست نہیں کہ اس آیۃ کریمہ کا سیاق وسباق نازل ہی ازواج مطہرات کے متعلق ہوا ہے۔

اگر نظم ومناسبتِ قرآن کریم کی رعایت کرتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر کی جائے گی تو امت کے بے تحاشا اختلافات اپنے آپ ختم ہو جائیں گے۔

۴.۴-تأویلِ صحیح کے روشن امکانات:

جب کسی بھی آیۃ مبارکہ کی تأویل میں بہت سے اختلافات پائے جائیں۔ تو نظم ومناسبت کا التزام ہی اس وقت اُحسن تأویل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ عنایت اللہ سبحانی لکھتے ہیں:

''النظام هو الدليل الى صحيح التأويل اذا اشتبهت الوجوه و كثرت الاحتمالات۔'' (۵۰)

''جب بہت سی وجوہات کا امکان اور بہت زیادہ احتمالات پائے جاتے ہوں تو اس وقت نظم ومناسبت ہی صحیح تاویل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔''

اس پس منظر میں امام حمید الدین فراہی رقمطراز ہیں:

''تاویل کا بیشتر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا ہے اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورۃ کا عمود یعنی مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور سب کے منہ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی:

﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ﴾(۵۱)

''ایک بارآور درخت کے مانند جس کی جڑ زمین کے اندر دھنسی ہوئی اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔''

اور سارے مسلمان اللہ کی رسی کو متحد ہو کر تھام لیتے.....صورت حال اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس حبل اللہ المتین کو جس کی تعریف یہ ہے:

﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾(۵۲)

''جس کے اندر باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوتا ہے نہ اس کے پیچھے سے) ٹکڑے ٹکڑے سمجھ رکھا ہے اور ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاٴویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے اس کو گھسیٹتے پھرتا ہے اور نظم کلام، جو صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہے اور جس سے اہل بدعت وضلالت اور اصحاب تحریف کی کجرویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ بیچ سے بالکل غائب ہے۔''(۵۳)

اس سے واضح ہوا کہ مناسبت وارتباط کا التزام ہی وہ واحد ہے جو احسن تاٴویل کی طرف رہنمائی کرتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾(۵۴)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے وہ ایسی بہت سی باتیں تم پر کھول کر بیان کرتا ہے جو تم چھپا کر رکھا کرتے تھے اور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آئی ہے۔''

اس آیۃ کریمہ میں نور سے کیا مراد ہے؟ اس کی تاٴویل میں کئی اقوال ہیں۔ امام رازیؒ اس تناظر میں فرماتے ہیں:

''اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: پہلا یہ کہ یہاں نور سے مراد ذات محمد ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ دوسرا قول یہ کہ نور سے مراد اسلام اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد

قرآن مجید ہے اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا مطالبہ کرتا ہے.....''(۵۵)

نور کی تفسیر میں یہ متعدد اقوال ہیں لیکن اگر مناسبت کے التزام سے تفسیر کی جائے تو یہاں نور سے مراد صرف ذات رسولؐ ہی متعین ہوتی ہے کیونکہ اس آیۃ کریمہ کے پہلے حصہ میں حضورﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے (قد جاء کم رسولنا) تو جن کی آمد کا ذکر ہے انہیں کو یہاں نور سے تعبیر کیا گیا ہے اور ملا علی قاری تو فرماتے ہیں:

''**ای مانع من ان یجعل النعتان للرسول ﷺ فانه نور عظیم لکمال ظهوره بین الأنوار و کتاب مبین حیث انه جامع لجمیع الأسرار و مظهر الأحکام و الأحوال و الأخبار۔**'' (۵۶)

''اس میں کیا مانع ہے کہ یہاں نور اور کتاب کی دونوں صفات رسول کریمﷺ کیلئے ہوں کیونکہ آپ تمام انوار کے درمیان کمال کی وجہ سے نور ہیں اور آپ ہی کتاب مبین ہیں کیونکہ آپ تمام اُسرار کے جامع ہیں اُحکام، احوال اور اُخبار کے مظہر ہیں۔''

مناسبت کے التزام سے ایک تأویل کا تعین ہو گیا ایسے ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿**یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍم بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ کِتٰبَهُمْ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا**﴾ (۵۷)

''ہم ہر شخص کو اس دن اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ پس جسے اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا تو وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھیں گے اور ان پر بال برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

سوال یہ ہے کہ امام سے کیا مراد ہے، امام فخر الدین رازی نے اس کی تأویل میں جو اقوال درج کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

''یہاں اِمام سے مراد ان کا نبی ہے..... دوسرا قول ضحاک اور ابن زید کا ہے کہ یہاں اِمام سے مراد ان کی کتاب ہے یعنی قرآن والوں کو اے اہل قرآن! اور تورات والوں کو اے اہل تورات! کہہ کر پکارا جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں اِمام سے مراد ان کے نامہ اعمال ہیں۔ یہ حسن، ربیع اور ابو العالیہ کا قول ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہاں اِمام سے مراد ان کی مائیں ہیں اس قول کو امام رازی نے خود ہی رد کر دیا ہے اور پانچواں قول ان کے اخلاق فاضلہ یا فاسدہ ہیں۔''(۵۸)

جبکہ اگر نظم و مناسبت کا التزام کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں امام سے مراد ان کا نامہ اعمال ہے کیونکہ انہیں امام کے ساتھ بلانے کے بعد فرمایا:''**فمن اوتی کتابه بیمینه**'' ''پس جسے اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا''۔ لفظ ف سے واضح ہوتا ہے کہ امام سے مراد کتاب ہی ہے اور حدیث پاک میں بھی اس کی تصریح ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یوم ندعوا کل اناس بإمامهم قال یدعی احدهم فیعطی کتابه بیمینه"(۵۹)

''حضور ﷺ نے ''یوم ندعو کل اناس بإمامهم '' کی تفسیر میں فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو بلایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

اسی طرح ہر موقع پر نظم ومناسبت کا التزام احسن تأویل کیلئے مشعل راہ ہوتا ہے۔

۵.۴-استنباط مسائل کیلئے مشعل راہ:

نظم ومناسبت کے التزام کا ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے قرآن کریم سے مسائل مستنبط کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔یہی چیز مسائل کے استنباط میں خضر راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔مثلاً قرآن مجید کی ان آیات طیبات میں غور فرمائیے:

﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۶۰)

''اور اس نے چوپائے پیدا کئے جن سے تمہیں گرم لباس ملتا ہے اور کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان میں تمہارے لئے خوبصورتی ہے جب تم شام کو انہیں لاتے ہو اور صبح کے وقت چھوڑتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ ان مقامات تک پہنچاتے ہیں جہاں تک تم سخت محنت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔بے شک تمہارا رب بڑا شفیق مہربان ہے۔اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کیلئے بھی اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کا ذکر کیا کہ تم ان سے گرم لباس بناتے اور انہیں کھاتے بھی ہو اور پھر گھوڑے، گدھے اور خچر کا ذکر کیا اور ان کے متعلق بتایا کہ وہ تمہارے لئے زینت ہیں اور تمہاری سواری کے کام آتے ہیں۔ان جانوروں کا ذکر چوپاؤں کے ساتھ نہ کرنا اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ جانور کھانے کیلئے نہیں بلکہ سواری اور زینت کیلئے ہیں۔اگر یہ بھی کھانے کیلئے ہوتے تو ان کا ذکر بھی انہیں کے ساتھ کر دیا جاتا اور ان کی تخلیق کی علت کو الگ ذکر نہ کیا جاتا۔اس استنباط کی وضاحت کرتے ہوئے ملا احمد جیون انیٹھوی (۶۱) لکھتے ہیں:

''اس آیت سے مقصود جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ گھوڑا، گدھا اور خچر حرام ہے اس کی وجہ جیسا کہ کشاف، مدارک اور ہدایہ باب الذبائح میں ذکر کی گئی ہے یہ ہے کہ یہ احسان کے تذکرہ میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ زینت اور سواری کیلئے فرما کر ان کا احسان یاد دلایا۔ثابت ہوا کہ ان اشیاء میں نعمت کا کمال یہی چیزیں ہیں کیونکہ حکیم کبھی بھی اعلیٰ نعمت کے ہوتے ہوئے ادنیٰ نعمت کا احسان نہیں

جتلاتا پس ثابت ہوا کہ گھوڑا، گدھا اور خچر کا کھانا جائز نہیں۔'' (۶۲)

ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ان چیزوں کی حرمت کا استنباط مناسبات قرآن کریم کے التزام سے ہی کیا ہے۔

ایسے ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (۶۳)

''پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

لغت عرب میں نحر کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔اس پس منظر میں امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

''نحر کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً نماز کے افعال جیسے استقبال قبلہ، دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا، سینہ تک ہاتھ اٹھانا، نفسانی خواہشات کا قلع قمع کرنا اور جانور کو ذبح کرنا نَحَرَ الْبَهِيْمَة کا معنی ہے اس نے جانور کو ذبح کیا۔'' (۶۴)

نَحَرَ کا لفظ اگرچہ متعدد معانی میں مستعمل ہے لیکن نظم و مناسبت کا التزام جس اُحسن تاویل کو متعین کرتا ہے وہ جانور کو ذبح کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا اور یہاں بھی نماز کے بعد نحر کا حکم ہے اور قربانی بمنزلہ زکوٰۃ کے ہے اور مشرکین مکہ نمازیں بھی بتوں کے لئے پڑھتے تھے اور قربانی بھی بتوں کیلئے کرتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب سے دونوں کام اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لئے جیسا کہ امام رازی نے وضاحت کی ہے۔(۶۵)

مسائل مستنبط کرنے اور الجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے میں یقیناً نظم و مناسبت کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث:

علم المناسبة علوم القرآن میں سے ایک اہم علم ہے۔جس سے مراد قرآن حکیم کے کلمات، آیات اور سورتوں میں پائے جانے والے ربط اور تعلق کو بیان کرنا ہے یعنی قرآن مجید کی آیات اپنی جگہ تو حسن و جمال اور دلکشی رکھتی ہی ہیں اور یہ ایک منظم اور مربوط کلام بھی ہے۔جو رب العالمین نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لیے نازل فرمایا۔اس علم کو ربط آیات وسور، علم مناسبت اور نظم قرآن کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔فہم قرآن میں اس کی افادیت مسلمہ ہے، قرآن حکیم کیونکہ عالمگیر پیغام ہے، اس پیغام کی آفاقیت اور عالمگیریت علم مناسبت اور ربط آیات وسور سے دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ جب ہم قرآن مجید کی تفسیر خود اس کے اندرونی کلام اور محاورہ عرب کے مطابق کرتے ہیں تو اس کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصر حاضر میں قرآن مجید کی تفسیر و تشریح اور تاویل و تعبیر میں اس علم کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اور اس کی مدد سے ہم بہت سے فقہی اور مسلکی اختلافات کو ختم کر سکتے ہیں۔

نتائج:

۱- علم المناسبۃ کا مطلب قرآن حکیم کے کلمات، آیات اور سورتوں میں پائے جانے ربط و تعلق کو بیان کرتا ہے۔

۲- علم مناسبت کے لیے ائمہ و مفسرین نے نظم، تناسق، توافق اور ربط وغیرہ کی اصطلاحات بیان کی ہیں۔

۳- قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو بطور معجزہ عطا ہوا، اس کلام کے اعجاز، فصاحت

وبلاغت، اسرار وحکم قیامت تک کے لیے معجزہ ہیں، اس اعجاز بیانی کی ایک شکل اس کا نظم پر ربط بھی ہے، جسے ائمہ ومفسرین نے عمدہ انداز میں نکھارا ہے۔

۴- قرآن حکیم نے اپنے پیغام کی مقصدیت کو بھی واضح کیا ہے، اور اپنے تنزیل کے معارف بھی بیان کئے ہیں۔ اس پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس قدر اس پر غور وتدبر کیا جائے اس کے معانی ومطالب واضح ہوتے چلے جاتے ہیں، اس لیے علم مناسبت سے فہم قرآن اور مقاصد قرآن کی تفہیم میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۵- تفسیری ادب میں مختلف فقہی اور مسلکی اختلافات کے خاتمہ کے لیے بھی اس علم سے مدد لی جاسکتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱- محمد مرتضی حسینی بلگرامی الزَبِیدی: ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن ہندوستان کا شہر بلگرام تھا۔ وہاں سے یمن آئے اور یمن کے شہر زَبِیْد میں بڑا عرصہ اقامت پذیر رہے۔ اسی نسبت سے زبیدی کہلائے۔ پھر مصر آئے اور قاہرہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔ ان کی مشہور کتب میں تحفۃ السادۃ المتقین فی شرح إحیاء علوم الدین اور تاج العروس فی جواہر القاموس شامل ہیں۔ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوئے۔
(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ: ۱۱/۲۸۲، مکتبۃ المثنی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن

۲- سید محمد مرتضی زبیدی، تاج العروس، مادہ نسب، دار الفکر، للطباعۃ والنشر، س۔ن

۳- (تفصیل کیلئے دیکھئے)، القاموس المحیط، مجد الدین فیروز آبادی، مادہ نسب، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن

۴- محمد بن أبی بکر رازی، مختار الصحاح، مادہ نسب، دار الکتاب العربی، بیروت، مادہ نسب، س۔ن

۵- بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشی: قاہرہ میں ۷۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر میں اس صدی کے جید علماء میں سے تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور أصول دین میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کی مشہور تصانیف میں إعلام الساجد بأحکام المساجد، البحر المحیط فی اصول الفقہ اور البرہان فی علوم القرآن وغیرھا شامل ہیں۔ مصر میں ۷۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، ابن حجر: ۳/۳۹۸)، دار الجیل، بیروت، س۔ن

۶- بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرھان فی علوم القران، ۱/۳۵، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان۔ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

۷- عبدالرحمٰن بن کمال، ابوبکر بن محمد بن سابق الدین، سیوطی، ان کا لقب جلال الدین ہے۔ متعدد علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں الإتقان فی علوم القرآن، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور اور تناسق الدرر فی تناسب السور شامل ہیں۔ ۹۱۱ھ میں فوت ہوئے (دیکھئے: البدر الطالع، علامہ الشوکانی: ۱/۳۲۸، ۳۳۵)، دار المعرفۃ، بیروت، س۔ن

۸- السیوطی، الإتقان فی علوم القرآن، ۳/۴/۲۷۴، دار الفجر للتراث، القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء۔

۹- العلامۃ إبراہیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی الخرباوی البقاعی: مشہور مؤرخ، محدث، مفسر اور ادیب ہیں۔ خربۃ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے وہیں پڑھے اور تعلیم حاصل کی۔ پھر حصول تعلیم کیلئے دمشق، بیت المقدس اور اسکندریہ کا سفر کیا۔ ان کی مشہور تصانیف میں نظم الدرر فی تناسب الایات والسور اور کتاب أحسن الکلام المنتقی من ذم الکلام للمھروی شامل ہیں۔ ۸۸۵ھ میں فوت ہوئے، تفصیل کیلئے دیکھئے: البدر الطالع: ۱/۱۹-۲۲

۱۰- ابراہیم بن عمر البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، ۱/۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۱- ن۔م :۱/۵ ۱۲- البرھان فی علوم القرآن،۱/۳۶

۱۳- علامہ ابن منظور،لسان العرب،مادہ نظم،داراحیاء التراث العربی،بیروت،س۔ن

۱۴- علامہ حمید الدین فراہی:۱۲۸۰ھ میں ضلع اعظم گڑھ(یو۔پی۔بھارت) کے ایک گاؤں پہریہا میں پیدا ہوئے۔ان کا دوسرا نام عبدالحمید بھی تھا۔ ابتدائی تعلیم علامہ شبلی نعمانی سے حاصل کی۔پھر لکھنؤ اور لاہور گئے،بہت بڑے مفسر اور شاعر ہیں۔ان کی مشہور تصانیف میں دلائل النظام اور الرأی الصحیح فی من ھوالذبیح شامل ہیں،-۱۳۴۹ھ میں فوت ہوئے۔تفصیل کیلئے دیکھئے: مقدمہ تفاسیر فراہی،مولانا امین احسن اصلاحی،ص: ۷-۲۴،فاران فاؤنڈیشن،لاہور،۱۹۹۸ء

۱۵- عبدالحمید فراہی، رسائل الإمام الفراہی فی علوم القرآن،ص: ۸۷، مدرسۃ الاصلاح، الدائرۃ الحمیدیۃ، اعظم کرہ، الہند، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء ۱۶- ن۔م،ص:۸۷

۱۷- أحمد بن علی ابن الأخشید:ان کی کنیت أبوبکر ہے۔بغداد کے رہنے والے تھے،فقہ نحو اور علم کلام میں بہت سی کتابیں لکھیں ان کی مشہور کتابوں میں نقل القرآن،کتاب الإجماع اور کتاب المعونۃ فی الأصول شامل ہیں۔۳۲۶ھ میں فوت ہوئے۔سیر أعلام النبلاء،امام شمس الدین ذہبی: ۱۵/ ۲۱۸،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،الطبعۃ الأولی:۱۴۰۲/۱۹۸۲

۱۸- لسان العرب،مادہ(نسق)۔ ۱۹- القاموس المحیط،مادہ وفق۔

۲۰- ان کا پورا نام حسین بن محمد بن مفضل ہے لقب أبوالقاسم ہے۔أصفہان کے رہنے والے تھے۔بغداد میں اقامت پذیر ہوگئے تھے۔تفسیر اور لغت کے مشہور امام ہیں۔ان کی مشہور تصانیف میں ''تفسیر الراغب'' اور ''المفردات فی غریب القرآن'' زیادہ مشہور ہیں۔۵۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ (بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ،امام جلال الدین سیوطی:۱/ ۲۹۷، المکتبۃ العصریۃ،بیروت،س۔ن

۲۱- علامہ راغب اصفہانی،معجم مفردات ألفاظ القرآن،مادہ،ربط،اسماعیلیاں،چاپ،نشر،ایران،۱۳۹۲ھ

۲۲- علامہ محمد بن علی شوکانی،فتح القدیر،۱/۷۲،مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر،۱۴۱۸ھ

۲۳- عزالدین بن عبدالسلام،ألاشارۃ إلی الإیجاز،ص:۲۲۱،دائرالبشائرالإسلامیۃ،بیروت،۱۹۸۷ء/۱۴۰۸ھ

۲۴- شاہ ولی اللہ دہلوی،الفوزالکبیر،ص:۴،سعید کمپنی،ادب منزل،کراچی،س۔ن

۲۵- سید سلیمان ندوی،مقالات شبلی،(مرتبہ) مولانا سلیمان ندوی:۲/ ۱۶،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،س۔ن

۲۶- مولانا حسین علی ۱۲۸۳ھ میں واں بھچراں (میانوالی) میں پیدا ہوئے۔ان کے اساتذہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی شامل ہیں۔ان کی تصانیف میں ''تبیان فی تفسیر القرآن'' اور ''بلغۃ الحیران'' زیادہ مشہور ہیں۔۱۳۶۳ھ میں فوت ہوئے (مقدمہ تفسیر بلغۃ الحیران،ص:۱-۷،مکتبۃ اخوت)،س۔ن

۲۶- مولانا حسین علی ۱۲۸۳ھ میں واں بھچراں (میانوالی) میں پیدا ہوئے۔ان کے اساتذہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی شامل ہیں۔ان کی تصانیف میں ''تبیان فی تفسیر القرآن'' اور ''بلغۃ الحیران'' زیادہ مشہور ہیں۔۱۳۶۳ھ میں فوت ہوئے (مقدمہ تفسیر بلغۃ الحیران،ص:۱-۷، مکتبۃ اخوت)،س۔ن

۲۷- مصطفیٰ مسلم،مباحث فی إعجاز القرآن،ص:۸۰،دارالقلم،دمشق، الطبعۃ الرابعۃ،۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۲۸- القرآن الکریم:۲/ ۲۸۵ ۲۹- فخرالدین رازی،التفسیر الکبیر،۸/ ۱۳۷-۱۳۸،مکتب الاعلام اسلامیۃ،۱۴۱۱ھ

۳۰- القرآن الکریم:۴۱/۴۴ ۳۱- التفسیر الکبیر:۲/۱۳۳

۳۲- (تفصیل کیلئے دیکھئے) خصائص القرآن الکریم،فہد بن عبدالرحمٰن،ص:۲۱،ریاسۃ ادارات البحوث العلمیۃ،ریاض،الطبعۃ الثالثۃ،(۱۴۰۹ھ)

۳۳- عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن محمد ابوبکر الجرجانی: لغت عرب کے امام تھے۔إعجاز القرآن پر سند تصور کئے جاتے تھے۔ان کی مشہور کتابوں میں دلائل الاعجاز اور الرسالۃ الشافعیۃ شامل ہیں۔۴۷۱ھ میں فوت ہوئے۔(بغیۃ الوعاۃ:۲/ ۱۰۶،امام جلال الدین السیوطی،المکتبۃ العصریۃ،بیروت س ن

۳۴- عبدالقاہر الجرجانی،دلائل الإعجاز،ص:۷۹-۸۰،دارالکتب العلمیۃ،بیروت، الطبعۃ الأولی،۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸

۳۵- محمد بن الطیب بن محمد،ابوبکر القاضی: أشعری مذہب کے متکلم تھے،روافض،معتزلہ اور خوارج کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں۔مشہور کتابوں میں إعجاز القرآن شامل ہے۔۴۰۳ھ میں فوت ہوئے۔تاریخ بغداد،حافظ ابوبکر احمد البغدادی:۵/ ۳۷۹)،س۔ن

۳۶- علامہ الباقلانی،إعجاز القرآن،۱۶۸،دارالکتاب العربی،بیروت،س۔ن

۳۷- علامہ علی بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل: ۷۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کے جید علماء میں سے ہیں۔ مفسر بھی تھے اور عظیم صوفی بھی، بمبئ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۸۳۵ھ میں فوت ہوئے اور وہی دفن ہوئے۔ (مقدمہ تفسیر "تبصیر الرحمٰن"، علامہ مہائمی، مکتبۃ فاروقیہ، پشاور، س۔ن؛ أخبارالأخیار فی سرالابرار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:۴۷، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۳۸- تفسیر تبصیر الرحمٰن: ۱/۱ (ملخص)
۳۹- اُلاتقان: ۳/۲۷۳

۴۰- ن۔م: ص:۱۱۹
۴۱- مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/۲۱، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

۴۲- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، رقم الحدیث: ۱۳۱۲، دارابن کثیر الیمامۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء

۴۳- حمیدالدین فراہی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص: ۳۰، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

۴۴- القرآن الکریم: ۱۲/۴

۴۵- علی محمد باب، مفتاح باب الابواب، ص: ۳۰۹، بحوالہ، التفسیر والمفسر ون، علامہ محمد حسین ذہبی: ۲/۲۲۲، دارالحدیث، قاہرہ، س۔ن

۴۶- القرآن الکریم: ۵/۵۵
۴۷- شیخ طبرسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ۳/۵۵۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن

۴۸- القرآن الکریم: ۵/۵۱
۴۹- القرآن الکریم: ۳۳/۳۳
۵۰- البرھان فی نظام القرآن، ص: ۲۳

۵۱- القرآن الکریم: ۱۴/۲۴
۵۲- القرآن الکریم: ۴۱/۴۲
۵۳- مجموعہ تفاسیر فراہی، ص: ۲۹

۵۴- القرآن الکریم: ۵/۱۵
۵۵- التفسیر الکبیر: ۱۱/ ۱۸۹-۱۹۰

۵۶- ملاعلی قاری، شرح الشفاء، ۱/۴۲، دارالباز، مکۃ المکرّمۃ، س۔ن

۵۷- القرآن الکریم: ۱۷/۱۷
۵۸- (تفصیل کیلئے دیکھئے) التفسیر الکبیر: ۲۱/ ۱۷، ۱۸

۵۹- ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، جامع ترمذی، ۲/ ۱۴۶، ابواب التفسیر، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، سعید کمپنی، کراچی۔

۶۰- القرآن الکریم: ۱۶/ ۵-۸

۶۱- احمد جیون بن ابی سعید بن عبداللہ: ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور کتابوں میں نورالأنوار اور التفسیرات الأحمدیہ شامل ہیں۔ ۱۱۳۰ھ دہلی میں فوت ہوئے اور وہی دفن ہوئے۔ معجم المؤلفین: ۱/۲۳۳، عمر رضا کحالہ، داراحیاء، التراث العربی، بیروت، س۔ن

۶۲- ملا احمد جیون انبیٹھوی، التفسیرات الاحمدیہ، ص: ۴۹۳، مکتبۃ الحرم، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۶۳- القرآن الکریم: ۲/۱۰۸
۶۴- التفسیر الکبیر، امام: ۳۳/۱۳۲

۶۵- (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو) ن۔م: ۳۳/۱۳۲